

اردو شاعری: زبان اور ترسیل خیال کے عہد بہ عہد بدلتے زاویے

Urdu Poetry: Changing Vistas Of Language And Expression Through The Ages

ڈاکٹر نورین رزاق، شعبہ اُردو، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور،

Dr. Noreen Razzaq, Dept. of Urdu, Lahore College for Women University, Lahore

ڈاکٹر علی بیات، ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف تہران

Dr. Ali Bayat, Associate Professor, Dept. of Urdu, University of Tehran, Iran

Abstract

This paper aims at the Urdu poetry that is replete with light and dark shades of human thought, intuition, introspection and social issues. Throughout the ages, it has been a powerful medium of expression. There are a myriad modes of Urdu poetry that are the direct or indirect outcome of a series of observations. Every social philosophy has its own unique expression. Hereby it will be assessed how Urdu poetry has gone through different stages since its inception.

Key words: replete, thought, intuition, introspection, expression, myriad, observations, philosophy, unique, assessed, inception

کلیدی الفاظ: مکمل، خیال، الہام، ذہنی حالت، اظہار، ہزارہا، مشاہدات، فلسفہ، منفرد، جائزہ، آغاز

زمان و مکان کی لا محدود وسعتوں میں انسانی فکر کا وجدان، دروں بینی اور خارج کے رنگوں سے مملو شاعری لسانی تغیرات اور جدت اظہار کے نت نئے پیکر تراشتی رہی ہے۔ شاعری میں انسانی جذبوں کے اظہار کے مختلف پیرائے اور اسالیب کے پس پشت قدروں کی شکست و ریخت اور سماجی کار فرمائی رہی ہے۔ شاعری خواہ ہیئت اور موضوعاتی اعتبار سے مختلف النوع کیوں نہ ہو حالات و حوادث اور انسانی جذبوں کی پیش کش کا سب سے موثر ذریعہ ہے۔ ہر

سماجی فکر اپنا اسلوب لے کر آتی ہے اور تخلیقی عمل میں زبان اور لفظیات کا دائرہ وسیع ہونا فطری ہے۔ اسلوب بیان کی تشکیل میں شاعر کا ماحول، موضوع، مقصد اور مخاطب اہم ہوتا ہے۔ اسی لیے تخلیق کاروں نے کبھی تو وقت کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھا اور کبھی سماج نے شاعری کو نئے اسالیب عطا کیے۔ زبان سوچ کے اظہار کا وسیلہ ہے اور اس کا گرد و پیش سے متاثر ہونا لازمی ہے۔ زبان تہذیب و معاشرت سے اثر و نفوذ کرتی ہے۔ تہذیب و تمدن، نظام فکر و خیال اور معاشرتی تبدیلیوں سے زبان بھی تبدیل ہوتی ہے۔ نیا خیال اظہار کے لیے نئے لفظ بھی لاتا ہے۔ معاشرت اور مذہب میں آنے والا انقلاب تصور زندگی کو بدلتا ہے اور اس انقلاب کے اثرات زبان پر بھی مرتب ہوتے ہیں۔

کلاسیکی شاعری کی روایات اور خیال کی جدت پسندی کے مابین شعور و آگہی، سماجیاتی ساخت، متضادم نظریات کی پیدائش اور فن کے حوالے سے نت نئے رجحانات کے علاوہ شدت کرب اور سوز کے اظہار میں تبدیلی کو بھی دخل ہے۔ اسی لیے شاعری کی مختلف اصناف میں مختلف عہدوں میں تخلیقی زبان نئے رجحانات کے دھاروں میں بہتی نظر آتی ہے۔ شاعری میں کھر درے، شیریں، علامتی یا بلند بانگ اسالیب کے پیچھے بہت سے محرکات ہیں جن کے نتیجے میں دروں کے انکشافات اور خارج کی دنیا کے رنگ رنگا مظاہر ایک ہی خیال کی ترسیل کو مختلف زاویے عطا کرنے کا باعث ہے۔

شعراے کرام نے اپنی ذات کے کلیدی تجربات، داخلی کرب، بدلتے ہوئے انسانی رشتوں کے احساس، تشکیک و تجسس کی پریشان نظری اور حالات و حوادث کی عکاسی کرتے ہوئے انسانی ذوق کی تغیر پسندی کو مد نظر رکھا ہے۔ تجربات، موضوعات، زبان، اسلوب، ساخت اور ہیئت کسی بھی حوالے سے ہوئے تجربات کی گنجائش ہمیشہ موجود رہتی ہے۔ اسی طرح ہر زمانہ اپنے مسائل، فکر اور لہجہ ساتھ لے کر آتا ہے اسی فکر اور لہجے کی مدد سے نئے سانچے ڈھالے جاتے ہیں۔ شاعر اپنے ذہن اور تخیل کے مطابق لکھتا ہے۔ شعری تجربہ داخلی کیفیات سے جڑا ہوتا ہے جس میں احساس و فکر کی اکائی کارگر ہوتی ہے۔ اس کے بغیر شاعر کچھ نہیں کر سکتا۔ شاعرانہ اظہار جو داخلی اور خارجی محرکات کے باہمی تصادم کے نتیجے میں وجود میں آتا ہے اس کو پیش کرتے ہوئے شاعر اپنی پسند و ناپسند کو سامنے رکھتا ہے۔ زبان کے حوالے سے بھی اس کا خاص رویہ اور ترجیحات ہوتی ہیں۔ زبان سے اسلوب بنتا ہے۔ کسی شاعر کی زبان اس کی شخصیت کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے اور ایک ہی موضوع کو پیش کرتے ہوئے اسلوب میں کئی پیرایہ ہائے اظہار نظر آتے ہیں۔ اسی لیے کہا جاسکتا ہے کہ زبان کے عہد بہ عہد تبدیل

ہونے اور ترسیل خیال کے لیے مختلف زاویے اپنانے کے پیچھے شاعر کا ذاتی ادراک، سوچ، زاویہ نظر اور سماجی عوامل کا دخل ہوتا ہے۔ انیس ناگی لکھتے ہیں:

”جب سوچ کا انداز بدلتا ہے تو اس کا ساز و سامان بھی بدلتا ہے۔ سوچ اور اس کے ساز و سامان میں تفریق سے کوئی معافی خیز نتائج برآمد نہیں ہوتے۔“^(۱)

گویا شاعر کی سوچ میں تبدیلی، مشاہدہ، تجربہ اور تہذیبی پس منظر زبان میں ندرتیں پیدا کرتا ہے اور اسے اپنے عہد کی ترجمانی اور ماضی سے مختلف بنانے کے قابل بناتا ہے۔ اگرچہ شاعرانہ عمل بے ساختہ ہوتا ہے لیکن اس میں شعوری کاوش کا عنصر بھی شامل ہے۔ شاعری کے ظاہری اور باطنی محاسن اوزان اور بحر کے تابع ہیں۔ زبان کے انتخاب الفاظ و تراکیب اور حرف و صوت میں بھی حسن آفرینی پیدا کرنے کے لیے بندھے ٹکے فارمولوں پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔

آل احمد سرور اس حوالے سے لکھتے ہیں:

”ادب کی زبان میں شعوری طور پر صنایع کا عمل ناگزیر ہے۔ تحریر کی زبان جو ادب کی بنیاد ہے بڑی حد تک مصنوعی ہوتی ہے۔ لفظ مصنوعی میں شعوری پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس کے شعور کے ارتقا میں زندگی کے سارے پیچ و خم آ جاتے ہیں۔ اسی لیے اچھا اسلوب بے ساختہ معلوم ہوتا ہے مگر اس کے پیچھے صدیوں کے ذہن کا عطر اور ایک شخصیت کی بصیرت کی ساری روشنی اور گرمی ہوتی ہے۔“^(۲)

یہ بات بالخصوص شاعری پر عین صادق آتی ہے۔ آتش نے کہا تھا:

بندشِ الفاظ جڑنے سے نگوں کے کم نہیں

شاعری بھی کام ہے آتش مرصع ساز کا^(۳)

انسانی فکر و خیال محدود نہیں ہے اور برق رفتار زمانے میں مسائل و مصائب کی نوعیت بھی بدلتی رہتی ہے۔ داخلی اور خارجی اثرات کے زیر اثر شاعری کے موضوع کو محدود نہیں کیا جاسکتا۔ ولی دکنی نے بہت خوب کہا ہے:

راہِ مضمون تازہ بند نہیں

تاقیامت کھلا ہے باب سخن^(۴)

اردو شاعری کی روایت پر نظر دوڑائیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ فکری و فنی اعتبار سے مختلف ادوار میں شاعری میں نئے رجحانات پنپتے رہے ہیں۔ یہ رجحانات موضوعات اور اسالیب بیان دونوں حوالوں سے ہیں۔ اردو شاعری میں زبان اور ترسیل خیال کے بدلتے زاویوں میں پہلا ذکر بہمنی سلطنت کا ہو گا جہاں مثنوی کی روایت خصوصی طور پر پروان چڑھی۔ بیجاپور کی عادل شاہی سلطنت ہو کہ گو لکنڈہ کی قطب شاہی حکومت دکن میں لکھی گئی شاعری میں ہندی اور مقامی اثرات نمایاں نظر آتے ہیں اگرچہ فارسی روایات کا تتبع بھی کیا گیا اور اسلوب اور طرزِ ادا میں یہ رنگ خاصا گہرا ہے لیکن مجموعی لحاظ سے دکنی شعر اکے ہاں غزل پر ہندی کے اثرات سے انکار ممکن نہیں۔ جن میں اظہارِ محبت عورت کی طرف سے نظر آتا ہے۔ عادل شاہی دور میں شاعری کی تمام اصناف مثنوی، قصیدہ، مرثیہ، غزل، رباعی، گیت اور دوہے لکھے گئے۔ ان مختلف اصناف میں مقامی اسلوب کی قدامت پسندی اور فارسی شعری اسلوب دونوں کی پیروی نظر آتی ہے۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری لکھتے ہیں:

”بیجاپوری دبستان کے اسلوب شعر پر عام طور پر قدامت پسندی کا گہرا اثر دکھایا جاتا ہے اور یہ بات اپنے طور پر حقیقت پر مبنی ہے۔ بیجاپوری شعر اکے ہاں اسلوب میں تبدیلیوں کا عمل بہت سست رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ فارسی کی شعری لغت بڑی سست روی سے بیجاپوری زبان میں سرایت کرتی رہی ہے۔ اس کی وجہ مقامی زبانوں سے محبت بھی ہے اور قربت بھی اور ان کا غلبہ بھی۔۔۔ داخلی طور پر بیجاپور کا اسلوب شدت سے، مقامی رنگوں کی طرف مائل رہا۔“ (۵)

قطب شاہی سلاطین کو علم و ادب سے خصوصی لگاؤ تھا۔ اس دور میں فارسی شاعری کو مرکزی حیثیت حاصل تھی لیکن اردو زبان میں دلچسپی بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ قطب شاہی حکومت کے دوسرے دور میں شعر و شاعری کو خاص فروغ حاصل ہوا۔ اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر گو لکنڈہ کا پانچواں فرماں روا قلی قطب شاہ ہے۔ اس کے ہاں غزل میں فارسی اور مقامی ہندی اثرات موجود ہیں۔

محمد قلی قطب کے کلام کی دورنگی تشبیہات، استعارات اور تلمیحات زبان کے استعمال میں نظر آتی ہے۔ اکثر جگہ ایک ہی غزل میں دونوں اسالیب کی یکجائی ملتی ہے۔

لُچن دکھائے جیو دلم خانہ خانہ کر
 عشق توج تم زن و مستی بہانہ کر
 جے دشت عشوہ کہ زینیاں رواں کرے
 اوّل دل گشتہ میر ایگانہ کر^(۶)

علاوہ ازیں مختلف موضوعات پر اس نے نظمیں بھی لکھیں۔ اس دور میں اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شاعری کی گئی۔ عادل شاہی اور قطب شاہی دور میں مثنوی کی صنف عروج پر نظر آتی ہے۔ عبدال، مرزا مقیمی حسن شوقی، صنعتی، ہاشمی، غواصی، ابن نشاطی، سلطان قلی شاہ قطب، وجہی اور طبعی وغیرہ نے اس صنف کو بام عروج تک پہنچایا۔ عادل شاہی دور کے شاعر ہاشمی کو پہلا باقاعدہ ریختی گو شاعر قرار دیا جاتا ہے جس نے اپنا دیوان ریختی مرتب کیا تھا۔ اس کے دیوان میں اس عہد کے تہذیبی مظاہر کی عکاسی کے ساتھ زبان کے حوالے سے نسوانی محاورے اور الفاظ نظر آتے ہیں۔ قطب شاہی دور میں مرثیے کی صنف بھی پختی نظر آتی ہے۔

اس عہد میں ولی دکنی وہ شاعر ہے جس نے لسانی اجتہاد کیا اور فارسی شاعری سے بھی استفادہ کیا۔ اس نے نہ صرف غزل کے مضامین میں وسعت پیدا کی بلکہ لسانی اعتبار سے بھی اس کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ ولی کا دیوان دہلی آنے سے قبل دہلی میں فارسی دفتری زبان ہونے کی وجہ سے اہم تھی۔ شعر اردو میں محض تغن طبع کے لیے شعر کہتے تھے۔ ولی کے کلام میں دیگر خصائص کے ساتھ ایک اہم رنگ ایہام کا تھا۔ ولی کی پیروی میں شمالی ہند میں ایہام گوئی کا عنصر اہمیت اختیار کر گیا نیز محمد شاہی عہد کی درباری اور مجلسی زندگی بحرانوں کا شکار تھی۔ عیش و عشرت اور رقص و سرود میں منہک معاشرے میں اظہار کے لیے اختیار کیے گئے پیرایوں میں پہلوداری، ضلع جگت، ذو معنویت اور ایہام نمایاں ہیں۔ اس دور میں مجلسی اور تہذیبی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی کرتے ہوئے لفظی بازی گری اور شعبہ بازی نظر آتی ہے لیکن اس نے زبان کو باثروت کیا۔ اس دور میں مقامی اور ہندی الفاظ اردو میں شامل ہوئے۔ ایہام گو شعرا نے فارسی زبان کے ثمرات سے بھی فیض اٹھایا اور اردو زبان کو مالا مال کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ملک حسن اختر لکھتے ہیں:

”ایہام گو شعرا کی سب سے بڑی خصوصیت نئے الفاظ کی تلاش تھی اور اس طرح ایہام گو شعرا نے اردو شاعری کے ذخیرہ الفاظ میں بے بہا

اضافہ کیا ہے۔ ذو معنی الفاظ کا استعمال شعری مہارت کا تقاضا کرتا تھا اور اس دور کے شاعروں نے اس مہارت کو حاصل کیا اور الفاظ کے مختلف رویوں سے آگاہی حاصل کر کے ہماری دلچسپی کا سامان مہیا کیا اور لغت نویس کے کام کو آسان کر دیا۔ اس زمانے میں ان شاعروں نے ایہام اور دوسری صنعتوں کو استعمال کر کے یہ ثابت کر دیا کہ اردو شاعری میں اتنی سکت ہے کہ وہ ان کا بوجھ سہار سکے اور فارسی زبان کے مقابلے میں پیش کی جاسکے۔“ (۷)

شعر انے ایہام کے حوالے سے جس گہری دلچسپی کا اظہار کیا اس کا ایک تو یہ نتیجہ نکلا کہ ذو معنی الفاظ کے استعمال اور زبان و بیان کی بازی گری سے داد و تحسین سمیٹی گئی گویا یہ کمال فن کو تسلیم کرنے کا اہم ذریعہ ٹھہرا لیکن شعر انے ایہام کو جب اپنے اسلوب کی اساس بنایا تو مستقبل کے لسانی تجربات میں اضافے کی راہ بھی ہموار ہوئی۔

ڈاکٹر محمد حسن کے بقول:

”ایہام گوئی صرف طرز سخن نہیں تھا بلکہ اس نے الفاظ کے دروبست کا سلیقہ سکھایا۔ ان کی معنوی نزاکتوں کی طرف توجہ مبذول کرائی اور ان کے لطیف امتیازات کو برتنے کا سلیقہ سکھایا۔ ربط کلام، ترتیب الفاظ اور صنعت گری کے اسلوب قائم کیے۔“ (۸)

اٹھارویں صدی کی اردو شاعری کی زرخیزی کے اہم محرکات میں یہ وہ تہذیبی و لسانی عوامل تھے جس کی وجہ سے شعر انے فکر و خیال کے اظہار کے لیے اردو کو منتخب کیا۔ اگرچہ نئے الفاظ کی تلاش میں مبتدل اور سطحی مضامین بھی شعر کا حصہ بنے البتہ فارسی کے زیر اثر عشقیہ مضامین بھی ملتے ہیں۔ شرف الدین مضمون اور بیک رنگ کی غزلوں میں اس عہد کے عمومی حالات کا عبرت ناک نقشہ کھینچا گیا ہے۔ حاتم کی مشہور ”مخمس شہر آشوب“ اس عہد کی تاریخ ہے۔

ایہام کی مثالیں دیکھیے۔

ہوئی زباں لال ترے ہاتھ سوں کھاتیں بیڑا

کیا فسوں پڑ کے کھلایا توں مجھے پان کے بیچ (۹)

محبت میں علی کی دیکھ ناجی

ہو اسے دل میرا اب حیدر آباد ^(۱۰)

اس طرح اس دور میں شعر اشعر و سخن کی تمام اصناف رباعیات، مخمس، مسدس، مراثی، قصائد، مثنوی اور غزل وغیرہ پر طبع آزمائی کرتے نظر آتے ہیں لیکن تصنع اور بناوٹ اس شاعری کا خاصا ہے۔ جلد ہی اس بے جا تکلف تصنع اور بناوٹ سے اکتاہٹ ہونے لگی اور تازہ گوئی کی تحریک شروع ہوئی۔ جس میں مظہر جان جاناں، یقین، شاہ حاتم، خان آرزو، میر، درد نے ایہام کے خلاف تحریک شروع کی۔ سودا قصیدے کے مرد میدان تھے ان کے اسلوب میں طمطراق اور شکوہ ہے لیکن وہ کہتے ہیں:

یک رنگ ہوں آتی ہیں نہیں خوش مجھ کو دورنگی

منکر سخن و شعر میں ایہام کا ہوں میں ^(۱۱)

میر نے کہا:

کیا جانوں دل کو کھینچے ہیں کیوں شعر میر کے

کچھ طرز ایسی بھی نہیں ایہام بھی نہیں ^(۱۲)

میر و سودا کے عہد میں اسلوب بیان میں فارسی کا غلبہ ہے لیکن ہندی ڈکشن کے اثرات بھی نظر آتے ہیں۔ اس دور میں نئے خیالات اور نئی تراکیب شاعری کا حصہ بنیں۔ زبان پہلے کی نسبت صاف ہوئی۔ اس زمانے میں فارسی اسالیب اردو کا حصہ بنے۔ قصیدے اور غزل کی صنف کی بدولت شعری لغت میں اضافہ ہوا۔ اس دور میں مرثیہ، مخمس، ہجو، مستزاد، مریض، شہر آشوب، واسوخت، قصیدہ، مثنوی اور غزل جیسی اصناف پر طبع آزمائی کی گئی۔

میر و سودا کے کلام سے ایک ایک مثال ملاحظہ کیجیے:

خاموش اپنے کلبہ احزاں میں روز و شب

تنہا پڑے ہوئے درد دیوار دیکھنا ^(۱۳)

یک بیاباں برنگِ صوتِ جرس

مجھ پہ ہے بے کسی و تنہائی ^(۱۴)

اندرونی و بیرونی انتشار اور عیش کو شی کے نتیجے میں دہلی کی بربادی اور تباہی عمل میں آئی۔ دہلی کی بربادی سے شرفا اور شعر ا فیض آباد اور لکھنؤ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔ اس دور کی شاعری میں خارجیت ہے۔ لکھنؤ کا معاشرہ خوشحال، لوگ متمول اور باثروت تھے یہاں عیش پرستی کا دور دورہ تھا۔ اس دور کے شعرا کی دلچسپی اعضائے جسمانی کے بیان میں ہے۔ دبستان لکھنؤ سے تعلق رکھنے والے شعرا کے ہاں لکھنؤ کی تہذیبی و معاشرتی زندگی کا عکس نظر آتا ہے۔ زندہ دلی اس معاشرے کا خاصہ ہے۔ اودھ میں نمائش، تن آسانی، حریفانہ چشمک اور عیش و عشرت کی وجہ سے خیال بندی کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ مقابلے کی فضا سے غلو، رعایت لفظی اور خیال بندی اعتدال سے بڑھ گئی لیکن یہ اسلوب ہی اس معاشرے کے لیے جاذب نظر ٹھہرا۔ اسی دور میں سنگلاخ زمینوں میں غزل کہنے کا رواج ہوا اور چشمک کے نتیجے میں دو غزل، سہ غزل، چار غزل بھی لکھا گیا۔

اردو شاعری کا ایک اہم دور آتش و ناسخ کے حوالے سے پہچانا جاتا ہے۔ ناسخ کے ہاں صنائع کا استعمال بہت ہے۔ انھوں نے زبان کی درستی اور اصلاح کی طرف خصوصی توجہ دی۔

آج اے ناسخ ہوں میں اسکندر ملک سخن

ہیں صفائے لفظ و معنی سے سب اشعار آئینہ (۱۵)

کلاسیکی غزل کی روایت کو پروان چڑھانے میں ناسخ و آتش اور غالب مومن و ذوق کا ہاتھ ہے لیکن موضوعات و اسالیب کے حوالے سے ان کے مقلدین کے ہاں تکرار نظر آتی ہے۔ انھوں نے تلازمات، تشبیہات و استعارات میں گزشتہ اسالیب کا اعادہ کیا۔

سرسید کی اصلاحی و ادبی تحریک کے زیر اثر نئے ادب اور نئی شاعری کا آغاز ہوا۔ یہ وہ دور ہے جس میں افادی اور اخلاقی رجحانات کے تحت ادب تخلیق کیا گیا۔ سرسید کا ایجنڈا تھا کہ خاص نوع کی مقصدیت و افادیت کو مد نظر رکھا جائے۔ اس لیے اس اصلاحی تحریک کے زیر اثر شاعری کے رجحانات میں بھی تبدیلی نظر آئی۔ عاشقانہ مضامین کی جگہ اخلاقی و اصلاحی مضامین کی ضرورت پر زور دیا گیا۔ مقصدی شعر و ادب کے پیش نظر ان کا موقف یہ تھا کہ اسلوب کی آرائش سے احتراز کر کے اپنے مخصوص زاویہ نظر کو اس طرح سے پیش کیا جائے کہ ابلاغ میں رکاوٹ نہ ہو۔

اس حوالے سے سب سے اہم نام حالی کا نظر آتا ہے جنھوں نے مقدمہ شعر و شاعری لکھ کر شاعری کے موضوعات اور اسلوب کی اصلاح کے لیے تجاویز دیں اور ان پر عمل

پیرا بھی ہوئے۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا لکھتے ہیں:

”حالی کے عہد سے لے کر آج تک غزل گو شعرا نے ان مشوروں پر دانستہ یا نادانستہ عمل کیا ہے۔ اکبر اور اقبال کی غزلیں حالی ہی کے مشوروں سے کلاسیکی غزل سے مختلف ہوئی ہیں۔ فراق، یگانہ چنگیزی، شاد عارفی کی غزلوں میں غیر غزلیہ الفاظ کی کثرت بھی حالی کی اسی تلقین کے سبب ہے۔ ذرا بعد کے شعرا میں مجید امجد، ظہیر کاشمیری، عزیز حامد مدنی، بیدل حیدری، انجمن رومانی، تنویر سپرا، مصطفیٰ زیدی، ظفر اقبال، شکیب جلالی، جون ایلیا، ناصر شہزاد وغیرہ کے ہاں اسالیب و ذخیرہ لفظی کے نوع بہ نوع تجربات حالی کے انہی اقدامات کا بالواسطہ یا بلاواسطہ نتیجہ ہیں۔“ (۱۶)

حالی نے موضوعات اور زبان و بیان میں وسعت پر زور دیا۔ علی گڑھ تحریک کے زیر اثر کلاسیکی غزل سے انحراف کرتے ہوئے غیر مانوس اور اجنبی الفاظ شامل کرنے پر زور دیا گیا۔

سرسید تحریک کے نتیجے میں قدیم اور فرسودہ روایات اور انداز بیان کی جو مخالفت ہوئی اس کا ایک ثمر انجمن پنجاب کے قیام کی صورت میں ملا۔ انجمن پنجاب کے قیام سے جدید اردو نظم کی بنیاد پڑی اور حالی اور آزاد نے نظم کو حیاتِ جاوداں عطا کی۔ تاہم اس ضمن میں ڈاکٹر حنیف کیفی نے اردو میں سب سے پہلے معرا نظم لکھنے کا سہرا محمد حسین کے سر باندھا ہے۔ (۱۷)

سرسید احمد نے حالی سے مسدس لکھوائی جس نے اردو نظم پر دور رس اثرات مرتب کیے اور نیچرل شاعری جس کے نمونے نظیر اکبر آبادی کے ہاں نظر آتے تھے اب اس کے زیادہ گہرے اثرات نظر آئے۔ روایتی اور عاشقانہ مضامین کو ترک کرنے پر زور دیا گیا۔ نیز شاعری میں علامتِ مبالغہ، تصنع، لفاظی، بے جا اور ناقابلِ فہم استعارہ و تشبیہ، تمثیل کے استعمال کے خلاف آواز اٹھائی گئی۔ شاعری میں عام فہم اور پُر اثر انداز اختیار کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی۔ اسی لیے حالی کی زبان میں صفائی اور اندازِ بیان میں نیا پن نظر آتا ہے۔ سرسید احمد خاں کی مقصدی اور اصلاحی تحریک کے رد عمل کے طور پر رومانوی تحریک شروع ہوئی جس میں جذبے اور وجدان کو ترجیح دی گئی۔ حقائق کی بجائے تخیل اور خواب اہم ہوا۔ اسلوب اور خیالات میں

تقلید کی روش اپنانے کی بجائے جدت کی طرف میلان بڑھا اور رسالہ مخزن میں بہت سے شعرا نے رومانوی طرز اپنایا۔ ان میں اقبال کا نام سرفہرست ہے۔

اقبال کے ہاں رومانوی شعرا سے مختلف استعارے، علامتیں اور اصطلاحیں نظر آتی ہیں۔ انھوں نے مضامین، اسلوب اور لہجے کو تبدیل کیا۔

یہ چمن وہ ہے کہ تھا جس کے لیے سامانِ ناز

لالہ صحرانجے کہتے ہیں تہذیبِ حجاز^(۱۸)

زمانے کی رفتار میں تبدیلی نے شاعری کو تخیلی فضا سے باہر نکالا اور سماجی و سیاسی حالات کی ترجمانی کی طرف مائل کیا اور ترقی پسندوں نے شاعری کو ایک نیارخ اور رویہ عطا کیا۔ ترقی پسند شاعری کا زیادہ تر پس منظر سیاسی اور سماجی ہے اس لیے سرسید احمد خان نے سماجی و اخلاقی اصلاح کا جو بیڑا اٹھایا تھا ترقی پسندوں نے اس کا تتبع کیا لیکن ان کا ایجنڈا سماجی اور اخلاقی اصلاح کی جگہ سیاسی انقلاب کی طرف مڑ گیا۔ اس لیے ترقی پسندی کے عین شباب کے دور میں فوری تاثر پیدا کرنے کے لیے برہنہ گفتاری اور اکہراپن عام ہوا۔ مبالغے کی ماورائیت کی بجائے حقیقت پسندی کو فروغ ملا۔ ترقی پسندوں نے چونکہ روایت سے بغاوت کا رویہ اختیار کیا تھا اور ان کی اپنی خاص اقدار تھیں اور وہ ایک خاص نظریاتی فضا میں سانس لے رہے تھے۔ اس لیے انقلاب کی دھن میں قدیم سے رشتہ توڑنے کے خواہاں تھے۔ ان کی اولین خواہش سماجی ڈھانچے میں تبدیلی اور ذہنی پرمردگی اور پراگندگی کا اظہار کرنا تھا۔ انھوں نے جمہوریت، اشتراکیت، وطنیت، قومیت اور سیاست کے متنوع تصورات پیش کیے۔ یہ شعر اپنی افتاد طبع اور عصری حیثیت کے پیش نظر زندگی کے نہاں خانوں میں جھانک رہے تھے۔ ان شعرا کے ہاں شعور کی یکجائی تھی۔ اس لیے شعری اظہار کے لیے اختیار کیے گئے وسیلوں میں زبان اور نظریات میں مشترک عنصر طنز و تلخی کی لے ہے۔ اخلاقی، روایتی اور مذہبی اقتدار کی آڑ میں جارحانہ انداز نظر آتا ہے۔ غیر رومانوی اسلوب میں بلند آہنگی ہے۔ گھن گھرج کے ساتھ وضاحت و صراحت کا عنصر بھی شامل ہے۔ بسا اوقات خطابت کا جوش نظر آتا ہے۔ اعتدال کی بجائے چڑچڑاپن ہے۔ ترقی پسندوں کی شعری زبان اور اظہار میں کھر دراپن تھا:

ہم کو زندہ رہنا ہے، جب تک موت نہیں آتی اک زہر پیے جانا ہے

آؤ چلو کتوں کا دربار سجائیں، کوؤوں کی بارات نکالیں^(۱۹)

چلو کہ سیاسی مقامروں سے کہیں
 کہ ہم کو جنگ و جدل کے چلن سے نفرت ہے
 جسے لہو کے سوا کوئی رنگ راس نہ آئے
 ہمیں حیات کے اُس پیر ہن سے نفرت ہے
 کہو کہ اب کوئی قاتل اگر ادھر آیا
 تو ہر قدم پہ زمیں تنگ ہوتی جائے گی
 ہر ایک موج ہوا رخ بدل کے جھپٹے گی
 ہر ایک شاخ رنگِ سنگ ہوتی جائے گی
 اٹھو کہ آج ہر اک جنگ جو سے یہ کہہ دیں
 کہ ہم کو کام کی خاطر کلوں کی حاجت نہیں۔۔۔۔
 کہو کہ اب کوئی تاجر ادھر کا رخ نہ کرے
 اب اس جگہ کوئی کنواری نہ بیچی جائے گی^(۲۰)

فیض نے مافی الضمیر، داخلی کرب اور عصری آشوب کے لیے مختلف شعری اسلوب
 اختیار کیا۔ انھوں نے الفاظ کی تراش خراش کر کے زبان کے روایتی استعاروں کی تجدید کی اور
 نئی علامتیں تخلیق کیں:

نئے خانہ سلامت ہے تو ہم سرخیء سے
 تزئین دروہام حرم کرتے رہیں گے^(۲۱)

۴۷ء میں فسادات کا المیہ، محرومی، ہجرت کا کرب اور دکھ شاعری شاعری کا
 موضوع بنا، آزادی کے خوابوں کی پامالی اور دکھ کی فضا نے شاعری میں جگہ پائی۔ قیام پاکستان
 کے بعد بہت سے لوگوں کو عافیت پرستی اور مصلحت کو شئی نے بے بصر بنادیا تھا۔ اسی لیے شعرا
 کے لب و لہجے میں یاس اور تلخی کا عنصر غالب ہے۔ یہاں حلقہ ارباب ذوق کا ذکر بھی ضروری

ہے۔ حلقہ سے وابستہ شعر اکو اس بات کا ادراک شدت سے تھا کہ عالمی اور سماجی سطح پر آنے والی تبدیلیاں، اقتصادی بحران، نفسیاتی خلفشار، تشکیک، عدم تحفظ اور معاشرتی مسائل کی پیش کش کے لیے اظہار کے پیرائے بھی تبدیل ہونے چاہئیں۔ ترقی پسندوں نے موضوع اور مواد کو ترجیح دی تھی اور حلقہ ارباب ذوق سے تعلق رکھنے والوں نے ہیئت اور اسلوب پر خصوصی توجہ دی۔ نئی لفظیات، علامتوں اور استعاروں پر زور دیا گیا۔ غزل سے زیادہ آزاد نظم کو رواج ہوا۔ راشد اور میراجی کے ہاں ہیئت و اسلوب کے تجربات اور رنگارنگی نظر آتی ہے۔ میراجی اور راشد کے نئے روایتی نظم گوئی سے انحراف کیا۔

قیام پاکستان سے ۱۹۶۰ء تک کا زمانہ موضوعاتی اور فنی سطح پر کسی نہ کسی حوالے پر روایت کے سلسلے سے جڑا ہوا ہے۔ بیسویں صدی کے آغاز میں زبان کے جس سانچے کا آغاز ہوا اس کی جھلک شاعری میں نظر آتی ہے۔ چھٹی دہائی کے قریب اختتام پر موضوعات اور فن میں تبدیلی نظر آئی ہے۔ تخلیقی قدغنون، جبر و تشدد اور سماجی بندھنوں نے اذہان کو متاثر کیا۔ شاعری میں ایسے علامتی رویے اپنائے گئے کہ شاعری الفاظ کا گورکھ دھند بن گئی۔ آشوب آگہی کے نتیجے میں اور کرب روحانی کے اظہار و ترسیل میں ایمانیت اور اشاریت راہ پا گئی اور یہ ہی مقبول عام اسلوب شعری قرار پایا۔

ڈاکٹر رشید امجد ساٹھ کی دہائی میں شعر کہنے والی نسل کے متعلق لکھتے ہیں:

”شاعری میں بھی جو افسانے کے مقابلے میں داخلی احساسات کی زیادہ ترجمان ہوتی ہے۔ داخلیت پسندی گہری ہو کر نفسیاتی دروں بینی اور دوسری ذات کی تلاش کی محرک ہوئی۔ نئی لسانی تشکیلات، استعارہ بازی کا نیا تصور، علامت و تجرید کی بحثیں موضوعات پر حاوی ہو گئیں۔ ہیئت و تکنیک کے نئے تجربوں اور اسلوب و اظہار کے نئے انداز نے تفہیم و ترسیل کے مسائل پیدا کر دیے۔ موضوعات کا دائرہ سمٹ گیا اور ہیئت و تکنیک اور اسلوب و اظہار کے نئے تجربوں کی راہیں کھلیں۔“ (۲۲)

ان دہائیوں میں بعض شعرا کی شاعری کے لفظیات میں اساطیری رجحان اور داستانوی رنگ نظر آتا ہے۔ اس ضمن میں ثروت حسین، جلیل عالی، اظہار الحق وغیرہ کے نام دیکھے جاسکتے ہیں۔ افتخار جالب، ظفر اقبال، انیس ناگی، جیلانی کامران اور اس گروہ کے دیگر شعرا نے اس بات پر زور دیا کہ نئی گرامر کی تشکیل کی ضرورت ہے۔

افتخار جالب کے بقول:

”وہ زبان جو ادبی وراثت میں مختلف ادوار کی ٹھوکروں، ترقیوں، پابندیوں اور زیبائش و آرائش سے مختلف طبائع کی ہنگامہ پروری، کوردوقی یا خوش مذاقی سے تخریب، تعمیر، محبت، دسترس، نارسائی، کم فہمی اور بچ مذاقی بننے والوں کی اجتماعی تلازمانی کیفیتوں، گرد و پیش کی رنگینیوں، طوائف الملوکیوں، پریشانیوں اور مختلف مقامی اور غیر ملکی وسیلوں، امنگوں، سانچوں، نیورتوں، حکایتوں، داستانوں اور ضرب المثلوں سے ہم تک پہنچتی ہیں۔ اسے بعینہ برقرار نہیں رکھا جا سکتا۔“ (۲۳)

شعر محض الفاظ کا مجموعہ نہیں ہوتے بلکہ کسی شاعر کا داخلی تجربہ اور جذبے کی شدت سے تاثر پیدا ہوتا ہے اور جذبات و تاثرات کے اظہار کا ذریعہ الفاظ ہیں۔ ان کے تبدیل ہونے سے مدعا و مفہوم پر اثرات لازمی مرتب ہوتے ہیں۔ اسی لیے لسانی اجتہاد پر زور دینے والے کا موقف یہ تھا کہ شعر اکو محدود دائرے میں مقید رہنے کی بجائے زبان کی نئے سرے سے تشکیل کی اہمیت کو سمجھنا چاہیے۔ مادی ضروریات کی طرح لسانی ضروریات کی تبدیلی بھی مد نظر رہنی چاہیے۔ اظہار کے طریقے غیر محدود ہیں اس لیے محض قدما کی نقالی پر اکتفا کرنا درست نہیں بلکہ نئی تشبیہات و استعارات کی تلاش اور علامت و رموز کا استعمال ضروری ہے۔

جیلانی کا مران نے اس حوالے سے کچھ اسی طرح کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ لکھتے

ہیں:

”ہم اپنی نظموں میں جو زبان استعمال کرتے ہیں اس کا ایک مخصوص طرزِ بیان ہے۔ یہ طرزِ بیان مختلف ترکیبوں، استعاروں، محاوروں، الفاظ کی بندشوں اور دوسری لسانی جزئیات سے پیدا ہوتا ہے جسے ایک لمبے عرصے سے پڑھ پڑھ کر نہ صرف کان جھنجھلا چکے ہیں بلکہ اب تو آنکھیں بھی اور آنکھوں کے ساتھ ہاتھ بھی دیکھ دیکھ کر اور لکھ لکھ کر تھک چکے ہیں۔“ (۲۴)

افتخار جالب اور جیلانی کا مران نے لسانی تشکیلات کی اہمیت پر زور دیا۔ ان کا خیال تھا کہ سیاسی، سماجی اور معاشی مسائل بدل رہے ہیں ان کو مد نظر رکھتے ہوئے مفاہیم و اسالیب میں

تبدیلیاں ناگزیر ہیں۔ زبان اور ہیئت کے مروجہ اصولوں سے انحراف کرتے ہوئے زبان کے سانچے میں تبدیلی کی عملی کوشش کرنے والوں میں ان کا کلیدی کردار ہے۔ افتخار جالب کی شاعری سے مثال دیکھیے:

مزاج کی رونقیں نفاست وسیلے قانون صاف ستھرا رکھیں گے

بجر قدیم ذرے گلو گفتار میلے کرتے رہے ہیں؛ فٹ پاتھ منضبط شہری

زندگی کے علاقے کنکریٹ روشن

مبادا تعبیر تند تنگ محبت کا آرتھرائٹس فساد

پٹھوں کی اینٹھ تلخی دہن مزہ کر کر

قدامت پسند کا بوس شیشہ در شیشہ

شیفتہ مدور سیاہ سورج کے درمیان

گردباد تکذیب میں اُٹتا ہے۔^(۲۵)

ظفر اقبال نے بھی شاعری میں لسانی تجربے کیے اور ایسے الفاظ تراشے جو غزل کے مزاج سے یکسر مختلف تھے۔ علاوہ ازیں پنجابی الفاظ بھی ان کی شاعری کی ڈکشن کا حصہ بنے۔

سبز کوٹ افسوں نشیلی چھائی تھی چاراں طرف

ہمہ ہنجر ہیکل ہاؤس سے دور تھا^(۲۶)

سبک سڑک کھال، کھولاہٹ دھواں دھوڑ

عبث عشرت عذاب انگارنے کا^(۲۷)

زبان و بیان، موضوعات، لہجے اور انداز فکر کی تبدیلی نے زندگی کے روایتی رویوں کو تبدیل کر کے نئے طرز احساس کو جنم دیا۔ یوں قدامت پرستی کو ترک کر کے جدید رنگ اپنانے پر زور دیا گیا۔ قدیم شعری لسانی پیمانوں کو رد کر کے نئی فکری و فنی جدت پر زور دیا گیا۔ لسانی ڈھانچہ تبدیل ہوا۔ لسانی پیمانے، لفظیات، الفاظ و تراکیب اور علامتوں کی تشکیل نو، تراکیب سے گریز اور اضافتوں سے بچنے کی شعوری کوشش نے شاعری کی زبان کو خاصا تبدیل

کر دیا۔ فنی اعتبار سے شاعری کی حیثیت، ہیئت، زبان، اسلوب اور آہنگ کی تبدیلی ہوئی۔

جدیدیت میں سب سے زیادہ رد عمل طوالت و تکرار اور لفاظی کی شعریات کے خلاف ہوا۔ ایجاز و اختصار، اجمال پر زور دیا گیا۔ نئے الفاظ، استعارے، علامتیں اور تراکیب شاعری کا حسن ہیں لیکن غیر مانوس الفاظ کی شعوری تلاش، ردیفوں کی آورد، داخلی استعاروں، اشاروں، علامتوں اور اپنے داخل میں گم ہونے سے الجھنیں بھی پیدا ہوئیں۔

مابعد جدید شعرا کے ہاں لسانی تجربوں کی وسعت نظر آتی ہے۔ انھوں نے علاقائی بولیوں، عوامی محاوروں اور لوک روایتوں سے شاعری کی ڈکشن تشکیل دی اور کلاسیکیت کی بندش کو توڑا۔ بعض شعرا کے ہاں مٹروک اسالیب بیان بھی نظر آتے ہیں۔

اسی طرح مقامی الفاظ اور انگریزی الفاظ بھی شاعری کا حصہ بنے ہیں۔ یہ الفاظ زبان میں دخیل ہیں۔ ذرائع ابلاغ کی بدولت اور گلوبل کلچر کے نتیجے میں انگریزی زبان بھی اردو میں در آئی ہے۔ تبدیلیوں کی برق رفتاری، ٹیکنالوجی اور میڈیا کی یلغار دیگر زبانوں کے لسانی اور ثقافتی اثرات سے محفوظ نہیں رہا جاسکتا۔ شاعروں کے ہاں شعوری و لاشعوری طور پر انگریزی الفاظ شعر و سخن کا حصہ بنے ہیں۔ خصوصاً آزاد نظم اور غزل میں مستعمل نظر آتے ہیں۔ یہ الفاظ اردو میں جذب ہو چکے ہیں۔ مثلاً بلڈنگ، بٹن، اپروچ، ٹکٹ، گراونڈ، سینما، میک اپ، بلب وغیرہ۔

غیر مطلوبہ وجود

غیر مطلوبہ بیگیج

ریل کی پٹریاں

بلاست چلتی گاڑی میں کون بیٹھا ہے۔ (۲۸)

رات کے ساحل پر

روشنیوں کا پلازما لہراتا ہے۔۔۔

اور مارکیٹ کے اتار چڑھاؤ میں

فتور ہضم کا مارا

خور و نوش کا عادی

فاسٹ فوڈ کا دلدادہ ہجوم

یک سار ڈکارتا ہے۔۔۔

ساری منزلیں ایک بٹن کی دوری پر ہیں

فاصلے ایک چھوٹی سی اسکرین میں سمٹ آتے ہیں^(۲۹)

اردو شاعری میں طبقہ متقدمین، متوسطین اور متاخرین کے بعد مختلف تحریکوں کے زیر اثر آنے والی لسانی، موضوعاتی اور ہیئت تبدیلیاں اور جدید و مابعد جدید کی بخشوں سے آگے بات اکیسویں صدی کی دوسری دہائی کے اختتام تک پہنچی ہے۔ دنیا میں باہمی میل جول میں اضافہ، تعلقات عامہ اور ذرائع ابلاغ میں آنے والی تبدیلیوں سے زبانیں متاثر ہو رہی ہیں اور ہوں گی۔ عام بول چال کی زبان، لفظیاتی نظام نیز علام و رموز کی معنویت کا بدلنا فطری عمل ہے:

یہ کجلی بن ہے اس میں آدم خاکی کی کٹیابن نہیں سکتی

یہاں اعصاب پر چنگھاڑتے وحشی لپکتے ہیں

یہاں کھڑوں میں شریانوں کی فصلیں کچلی جاتی ہیں

یہاں پیڑوں کی شاخوں سے الجھتی، خون میں لتھڑی

معمّر، گھاگ خرطومیں۔۔۔^(۳۰)

عجیب ایک منظر بصارت پہ اُترا

کہ و تر بھرے کھیت، جن کے لیے

بانگ ملتے ہی، سستی سویرے وہ ادھ رڑکا پی کر چلا تھا

بڑاؤں کی بستی میں بدلے ہوئے ہیں۔۔۔

پریشان ہالی اکیلا کھڑا ہے

وہ بے پتھر کی صورت جڑا ہے۔۔۔

وہ ہڈیالا بھورا بدن ہر طرف اڑتی مٹی میں تاباں

ہری کت کتاری کا موسم بڈاووں کے گھیرے میں حیراں^(۳۱)

اردو شعر و سخن کے رنگ میں پیدا ہونے والی تبدیلی، نئے الفاظ و محاورات، ذخیرہ الفاظ میں اضافہ اور فنی معیارات پر زمانے کے اثرات کے حوالے سے ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

”۔۔۔ اردو زبان و اسلوب شعر کا رنگ خاصا تبدیل ہوا ہے اس کا محاورہ یا روزمرہ وہ نہیں رہا جو کسی وقت دبستان دہلی یا لکھنؤ سے منسوب و مخصوص تھا۔ پنجابی، پشتو، سندھی، بلوچی اور سرانجکی زبانوں کے زیر اثر اس میں بہت نمایاں اور خوب صورت تغیر ہوا ہے۔ بہت سے نئے الفاظ و محاورات، علاقوں کی زبانوں سے اردو میں آئے ہیں اور جغرافیائی و تاریخی حالات نے اردو کے ذخیرہ الفاظ و تراکیب اور تلمیحات و استعارات پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ اردو زبان کا وہ معیار جس میں بہت سے الفاظ نکسال سے باہر خیال کیے جاتے تھے اور جس کا استعمال شعر و سخن میں معیوب و مبتذل سمجھا جاتا تھا اب باقی نہیں رہا۔“^(۳۲)

بہر طور یہ زندہ زبانوں کا وصف ہے اور اُردو کا شمار ایسی ہی زبانوں میں کیا جاتا ہے البتہ شعر کی زبان کی لطافت اس سے کس حد تک متاثر ہوگی یہ بہت اہم سوال ہے۔

شاعری میں موضوع مواد، ہیئت اور اسلوب کی یکساں اہمیت ہے۔ فکری الجھاؤ اور عدم تحرک سے زبانیں بگڑ جاتی ہیں اور اردو شاعری نے ایجاز سے وضاحت، اجمال سے تفصیل اور بالواسطہ طرز اظہار سے براہ راست طرز اظہار تک کے سفر میں زبان اور اسلوب بیان کے بہت سے رنگ اختیار کیے ہیں۔ استہزائیہ لفظیات ہوں یا استعاراتی بالواسطہ پیرائیہ اظہار اسلوب میں رمز و ایمائیت اور اشاریت ہو یا پیکر تراشی کے نمونے، اردو لغت میں نئے الفاظ، محاورات، تشبیہات اور علامت میں اضافہ ہوا ہے۔ ان اردو شعر اکے ہاں نئے اسالیب اختیار کیے گئے نئی ہئیتوں کی تلاش کی گئی۔ بعض شعر اکے ہاں معاصر شعری اسالیب سے الگ انفرادی اور غیر تقلیدی رویہ بھی نظر آتا ہے جبکہ کچھ شاعروں نے زبان و بیان کی نفاست کو برقرار رکھتے ہوئے غزل اور نظم کو روایت اور جدت کا حسین امتزاج بنادیا ہے:

وقت نظریں بھی پلٹ جاتا ہے اقدار کے ساتھ

دن بدلتے ہیں تو ہر عیب ہنر لگتا ہے

اک ملامت کی علامت ہے مرے چہرے پر

سنگِ دُشنام ہے اور شام و سحر لگتا ہے^(۲۳)

جدید دور کے شاعر کسی تکنیک کو مقصود بالذات نہیں سمجھتے بلکہ تخلیقی تجربے کی حکمت پر یقین رکھتے ہوئے مختلف ہیئتیں اور تکنیک بروئے کار لاتے ہیں۔ ترسیل خیال کے سانچے مختلف اصناف کی شکل میں تبدیل ہوتے رہے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ شاعری میں غزلیہ، آزاد نظم، نظم معرا، سانیٹ، نثری نظم، مختصر نظم، ہائیکو، کینٹوز، ثلاثی، ترائیل، تریل، لمرک، تروینی نظممانے اور دیگر اصناف نے اپنی جگہ بنائی ہیں جدید دور میں اب ایک تجربہ پرونیٹ، عشرہ اور چار دیواری کی شکل میں سامنے آیا ہے۔

بلاشبہ بعض جدید شعر کے ہاں نئے الفاظ کے استعمال، کلاسیکی عروض سے انحراف، ساختیاتی اور ہیئتتی تجربات سے زبان و اسالیب کا رنگ بدلا ہے اور ہر عہد میں ہونے والی یہ ترمیم اپنے عہد کے نئے باطن کی دریافت کا موجب اور زبان کے چمک دار ہونے کا ثبوت ہے لیکن خیال کے ساتھ آنے والے اسالیب کا تعلق بہر طور روایت سے کسی نہ کسی طور جڑا ہے اور بہت سے شعر کے ہاں قدما کے اسالیب کا ثبات نظر آتا ہے۔ شاعری میں لسانی و ہیئتتی تبدل خواہ کسی صورت میں بھی ہو شعری اظہار کے لوازم کو ملحوظ رکھنا از حد ضروری ہے۔ ایسی شاعری جو محض زبان کی سطح پر کی گئی شعوری ذہنی مشق ہو، وہ رموز و علامت جو تفہیم و ترسیل کے حسن سے عاری ہوں اور محض ابہام اور لفظی شان و شوکت کو شاعری کا مدعا و مقصد سمجھ لیا جائے درست نہیں یا حُسنِ ابلاغ کی بجائے محض ابلاغ کے واسطے تشریحی و توضیحی یا صحافتی طرز اختیار کر لینا شعر و ادب کی خدمت نہیں ہے۔ اس سے انفرادیت اور تجدد کے شوق کی تکمیل تو ممکن ہے لیکن وہ قوت اور توانائی جو کسی روحانی محرک کا پیش خیمہ ہو، جو ذوقِ سلیم کی تربیت کرے یا شعور کو بالیدگی عطا کرے ممکن نہیں۔ شعری تجربے کی صداقت کو قاری کا باطنی حسیاتی نظام قبول کرتا ہے۔ اس لیے حُسنِ تناسب، اشاریے کی معنی خیزی اور ہیئتتی تکمیل کے شعور کی موجودگی سے ہی نئے شعری امکانات پیدا ہوتے ہیں۔

حوالہ جات

- ۱۔ انیس ناگی۔ شعری لسانیات۔ لاہور: کتابیات، ۱۹۹۰ء، ص ۱۹۶
- ۲۔ آل احمد سرور۔ نظر اور نظریے۔ نئی دہلی: مکتبہ جامع، ۱۹۷۲ء، ص ۵۳
- ۳۔ آتش، حیدر علی خواجہ۔ کلیات آتش، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء، ص ۱۰۰
- ۴۔ ولی۔ دیوان ولی (انتخاب، تجزیہ و تنقید) مرتب محمد خان اشرف، مولانا حسرت موہانی، لاہور: مکتبہ میری لائبریری، ۱۹۸۷ء، ص ۱۰۳
- ۵۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر۔ اردو ادب کی تاریخ (ابتداء سے ۱۸۵۷ء تک)۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص ۱۳۵
- ۶۔ قلی قطب شاہ، محمد۔ (مرتب) ڈاکٹر سیدہ جعفر، دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو (دوسرا ایڈیشن) ۱۹۹۸ء، ص ۵۶۴
- ۷۔ حسن اختر، ملک، ڈاکٹر۔ ایہام گوئی کی تحریک۔ گوجرانوالہ: فروغ ادب اکادمی، ۱۹۹۲ء، ص ۱۵۰
- ۸۔ حسن محمد، ڈاکٹر۔ دہلی میں اردو شاعری کا تہذیبی و فکری پس منظر، علی گڑھ: ادارہ تصنیف، ۱۹۷۴ء، ص ۲۹۶
- ۹۔ حاتم، ظہور الدین۔ دیوان حاتم (انتخاب) (مرتبہ) پروفیسر عبدالحق۔ لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۲۰۱۰ء، ص ۱۵۱
- ۱۰۔ شاکر ناجی۔ دیوان شاکر ناجی (مرتبہ) ڈاکٹر فضل الحق۔ دہلی: ادارہ صبح ادب، ۱۹۶۸ء، ص ۹۵
- ۱۱۔ سودا، رفیع محمد، مرزا۔ کلیات سودا۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص ۱۱۰
- ۱۲۔ میر، تقی میر۔ کلیات میر (دیوان دوم، جلد دوم) (مرتبہ کلب علی خاں فائق)۔ لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع دوم، ۱۹۹۱ء، ص ۱۹۹
- ۱۳۔ سودا، رفیع محمد، مرزا۔ کلیات سودا، ص ۲۵

- ۱۴۔ میر تقی میر، کلیات میر (جلد اول)، (مرتبہ قلب علی خان فائق)۔ لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع سوم، ۲۰۱۱ء، ص ۴۲۶
- ۱۵۔ نسخ، امام بخش، شیخ۔ کلیات نسخ (ترتیب و تحشیہ یونس جاوید) (جلد دوم، حصہ اول)۔ لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۹ء، ص ۴۳۲
- ۱۶۔ زکریا، خواجہ محمد۔ مولانا حالی کی ادبی خدمات مشمولہ بازیافت ۲۸ (جنوری تا جون) لاہور: پنجاب یونیورسٹی اور نیشنل کالج، ۲۰۱۶ء، ص ۱۴
- ۱۷۔ حنیف کیفی، ڈاکٹر۔ اردو میں نظم معرّ اور آزاد نظم (ابتداء سے ۱۹۴۷ء تک)۔ نئی دہلی: جامعہ علیہ اسلامیہ، ۱۹۸۲ء، ص ۲۵۵
- ۱۸۔ اقبال، علامہ، محمد۔ بلاد اسلامیہ مشمولہ کلیات اقبال۔ لاہور: اقبال اکادمی، طبع یازدھم، ۲۰۱۳ء، ص ۱۷۱
- ۱۹۔ اختر الایمان۔ کلیات اختر الایمان (مرتبہ) سلطانہ ایمان بیدار بخت۔ کراچی: آج، ۲۰۰۰ء، ص ۳۷۶
- ۲۰۔ ساحر لدھیانوی۔ کلیات ساحر لدھیانوی، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء، ص ۱۸۰
- ۲۱۔ فیض۔ فیض احمد۔ نسخہ ہائے وفا۔ لاہور: مکتبہ کاررواں، سن، ص ۱۲۰
- ۲۲۔ رشید امجد۔ پاکستانی ادب۔ اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۱۰ء، ص ۹
- ۲۳۔ افتخار جالب۔ ماخذ (دیباچہ) لاہور: مکتبہ ادب، ۱۹۶۳ء، ص ۱۳
- ۲۴۔ جیلانی کامران۔ استازے (دیباچہ) لاہور: مکتبہ جدید، ۱۹۵۹ء، ص ۳، ۲
- ۲۵۔ افتخار جالب۔ لسانی تشکیلات اور قدیم ہجر۔ لاہور: فرہنگ، ۲۰۰۱ء، ص ۱۸۵
- ۲۶۔ ظفر اقبال۔ گلافاب مشمولہ اب تک (کلیات) (جلد اول)۔ لاہور: ملٹی میڈیا افیئرز، ۲۰۰۴ء، ص ۲۵۵
- ۲۷۔ ایضاً۔ ص ۲۶۵
- ۲۸۔ کشور ناہید۔ دشت قیس میں لیلیٰ (کلیات) لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء، ص

۸۸۹، ۸۸۵

۲۹۔ نصیر احمد ناصر۔ ”غٹ ر بود“ مشمولہ تیرے قدم کا خمیازہ۔ لاہور: سانجھ پبلی کیشنز،

۲۰۱۳ء، ص ۱۵۵، ۱۵۶

۳۰۔ سعادت سعید۔ ”کجلی بن“ مشمولہ کجلی بن۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء،

ص ۶۶

۳۱۔ حمیدہ شاہین۔ ”بڈاؤں کا بھگٹرا“ مشمولہ زندہ ہوں۔ لاہور: ملٹی میڈیا افیئرز،

۲۰۱۰ء، ص ۷۲، ۷۳

۳۲۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر۔ اردو شاعری اور پاکستانی معاشرہ۔ لاہور: وکٹری بک بینک،

۱۹۹۰ء، ص ۳۷

۳۳۔ سعود عثمانی۔ قوس۔ لاہور: کتب نما، ۱۹۹۷ء، ص ۴۵